محمد اسمعیل عرسانی

شاہ عبداللطیف کی شاعری میں
ریگستان (تھر)

اس میں کوئی شک نہیں اور یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ کتابی مطالعہ بھی ہماری معلومات میں اضافہ کرتا ہے۔ لیکن جو حقائق ہمیں ذاتی مشاہدہ سے حاصل ہوتے ہیں وہ ہمارے ذہان پر دیرپا اور گہرا اثر چھوڑتے ہیں۔ بہترین ادیب اور شاعر وہی ثابت ہوتا ہے جو فطرت کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد اپنے ذاتی مشاہدات و تجربات کے احساسات کو صداقت کے ساتھ بیان کر سکے۔ ایک طرف عام مطبوعہ کتابیں ہیں جن کے دیکھنے سے ہمیں اعلیٰ پلئے کے ادیبوں اور شاعروں کی خوبیوں کا علم ہوتا ہے، تو دوسری طرف تمام کائنات کا ایک صحیفۂ قدرت کھلا ہوا ہے۔ جس کو بغور مشاہدہ کرنے کے بعد ہمارے پاکیزہ احساسات کو فروغ ملتا ہے بقول سعدی شیرازی ؎

برگِ سبز درختاں در نظر ہوشیار
ہر ورق دفتریست ز معرفت کردگار

اس لئے "سیروفی الارض" کی ہدایت کی روشنی میں کوئی بھی دیدہ ور شاعر یا ادیب، اس صحیفۂ قدرت کی ورق گردانی، بغیر سیر و سیاحت کے بہ طریق احسن نہیں کر سکتا ہے۔ جب تک کوئی شاعر یا ادیب بذاتِ خود سفر کی مشکلات برداشت کر کے، قدرتی مناظر کا مشاہدہ نہیں کرتا ہے، اس وقت تک، اس کے زور بیان میں صداقت اور واقعیت کا پیدا ر ہونا محال ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ دنیا کا ہر عظیم المرتبت شاعر یا ادیب، اسی وقت اپنی صداقت بیانی کا لوہا منوا سکا ہے۔ اور اس کی شاعری یا ادب کو اسی وقت فروغ حاصل ہوا ہے جب

اس نے کائنات کا مطالعہ، غائر نظر سے فطرت کے قریب ہو کر کیا ہے، اور اپنے پاکیزہ خیالات واحساسات کا نچوڑ بہ زبان شیخ یوں کیا ہے۔ ؎

تمتع ز ہر گوشۂ یافتم
ز ہر خرمن خوشۂ یافتم

"حقیقی شاعر فطرت کا ترجمان ہوا کرتا ہے۔" اس قول کی روشنی میں جب ہم وادیٔ سندھ کے عظیم المرتبت شاعر، ولی کامل، حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی علیہ الرحمتہ کی شاعری کو دیکھتے ہیں تو ہم پر یہ حقیقت روشن ہوتی ہے کہ اس صوفی شاعر نے فطرت اور انسانی جذبات واحساسات کی ترجمانی جس ہمہ گیر انداز میں کی ہے، اس کی بنا پر اگر ہم اس صوفی شاعر کو ایک آفاقی شاعر تسلیم کرکے بین الاقوامی شعراء کی صف میں جگہ دیں، تو ہمارا یہ فعل شاہ صاحب کے ادبی کارناموں کے مقابلہ میں ان کی ادبی شخصیت کا ایک ادنیٰ اعتراف ہوگا۔

شاہ صاحب نے اپنی شاعری میں جن قدرتی مناظر کی عکاسی کی ہے یا جس تہذیب و تمدن کو اجاگر کیا ہے، ان کو رواجی شاعروں کی طرح دور سے دیکھ کر یا تخلیہ میں بیٹھ کر محض تخیل آرائی نہیں کی ہے، بلکہ انہوں نے فطرت کے گہرے مشاہدہ کے لئے اور وادیٔ سندھ کی قدیم تہذیب تمدن کی صحیح اقدار کو محسوس کرنے کی غرض سے علاوہ زندگی اختیار کی ہے کہ جس کو اختیار کئے بغیر ان کی عکاسی اور ترجمانی ایک روائتی تخیل آرائی سے زیادہ دقیع نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ فطرت کے اسرار کو بے نقاب کرنے کے لئے سفر کی صعوبتیں برداشت کیں، مناظر قدرت کا عینی مشاہدہ کیا، حالانکہ اس زمانہ کے سفر کے مصائب بھی موجودہ دور کے وسائل کو سامنے رکھ کر قیاس و اندازے میں نہیں آسکتے۔ کہ پہاڑی علاقوں کے دشوار گزار نشیب و فراز، وسیع اور پھیلے ہوئے کوہستانی میدان، جن میں پانی کا نام و نشان تک نہیں، تپتی ہوئی زمین اور لو، رہزنوں اور صحرائی درندوں کا خوف، انسانی ارادوں کی مضبوطی کو، متزلزل کر دینے کے لئے موجود تھے، مگر فطرت کے اس عظیم ترجمان نے دشوار گزار صحرا، اور ناقابل عبور پہاڑوں کو طے کرکے "سسی" جیسی نازنین، ناز پروردہ، گلبدن کو اپنے حسن بیان سے ایک لافانی کردار کی حیثیت بخش دی۔

شاہ صاحب نے جب ارادہ کیا کہ وہ "سوہنی" کی علاقائی کہانی کو زندگی جاوید بخشیں اور

"سوہنی" جیسی نازک اندام لڑکی جو فن تیراکی سے قطعی ناواقف ہے کچے گھڑے کے سہارے دریا کی خطرناک روانی اور ہولناک تلاطم میں سے گزرنے کی سعی کرتے ہوئے غرقاب ہونے کی منظر کشی کی، تو انہوں نے ساون کی اندھیری راتوں میں مہران کی پرخطر موجوں اور دریائی جانوروں کا اندازہ چھوٹی چھوٹی اور نازک کشتیوں میں سوار ہو کر اور تیز و تند ہواؤں میں کیٹی بندر، پور بندر، اور کھارے چھان تک سفر کر کے، عملی طور پر اندازہ کیا۔ اس جان لیوا مشقت کے بعد "سر سوہنی" میں دریا کے ہولناک مناظر کا وہ فوٹو کھینچا ہے کہ جن کو پڑھنے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ یہ مناظر ہماری آنکھوں کے سامنے گردش کر رہے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ 'سوہنی' ہماری آنکھوں کے سامنے کچے گھڑے پر تیرنے کی کوشش کرتے ہوئے، اپنے محبوب "ساہڑ" سے ملنے جا رہی ہے۔ طوفانی موجیں اس کے گرد حلقہ بنا رہی ہیں۔ اور دریائی خونخوار جانور اس کے جسم نازک کا لقمہ بنانے کے لئے اس کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اور وہ اپنے گرد و پیش سے لاپرواہ اپنی جان مصیبت میں ڈال کر اپنے محبوب سے ملنے کے لئے بیچین ہے ان ہی کیفیات کے تحت دوسری جگہ پر شاہ صاحب نے ایک مچھیری لڑکی "نوری" کا کردار پیش کیا ہے اور حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ کے اس قول کے مطابق ؎

زعشق ناتمام ما جمال یار مستغنیست
بہ آب و رنگ خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را

اپنی ایک جنبش قلم سے شعریت و بیان کی تمام رعنائیوں سے "نوری" کے سادہ دیہاتی حسن پر "جام تماچی" جیسے جلیل القدر سلطان کو اپنا سب کچھ اس کے قدموں پر نثار کرنے کو تیار کر دیا۔ اس داستان کی زیبائش کے لئے، شاہ صاحب نے میر بحروں کی زندگی کا گہرا مطالعہ کیا اور ان کی زبان اور ان کے محاوروں کا استعمال معلوم کرنے کے لئے اور ان کے رہن سہن کا مشاہدہ کرنے کے لئے، ان کے ماحول میں جا کر ان کی سی زندگی اختیار کی۔

"رام کلی" کی داستان میں زندگی اور حقیقت سے معمور تصویر کشی کے لئے جوگیوں سادھوؤں، آدھوتی فقیروں، سامیوں اور ناتھوں کے متعلق محض سنی ہوئی کہانیوں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کے ساتھ رہ کر، حب اور ہنگلاج تک گھوم کر اور ان کی غفاؤں، مٹھوں

اور مندروں میں اپنی عمرِ عزیز کا ایک حصّہ صرف کر کے ان کی عادات و اطوار اور تزکیہ نفس کا پورا پورا مطالعہ کیا اور اس طرح دنیا کی بے ثباتی کا مکمل نقشہ کھینچا۔

اس طرح "مارئی" کے افسانے میں زندگی کی دھڑکنیں بیدار کرنے کے لئے اس شاعرِ فطرت نے "مارئی" کے وطن "تھر" یعنی ریگستان میں جا کر وہاں کے ایک ایک چپہ کو دیکھا اور "مارو" قوم کے افراد کے ساتھ قصے کے ایک ایک جز پر گھنٹوں بحثیں کیں، اور ان کی خس و خاشاک کی گندہ جھونپڑیوں اور لانڈھیوں میں رہ کر، باجرے کی روٹی اور چھاچھ پر گذارہ کر کے اس کے رسم و رواج، حب الوطنی اور ان کی زندگی پر قناعت کے جانکاہی سے مطالعہ کرنے کے بعد، وہ اس قابل ہو سکے کہ کھدر پوش مارئی کے ستر اور پاک دامنی کو اس کے اصلی اور حقیقی ماحول میں پیش کر سکیں۔

"تھر" یعنی ریگستان کی کھدر پوش عورتوں کے رسم و رواج اور صحرا کے سادہ ماحول کو شاہ صاحب نے "سُر مارئی" اور "سُر سارنگ" میں خاص طور سے پیش کیا ہے۔ ریگستان کی بہار و خزاں، خشک سالی اور فارغ البالی، ساون کی رت میں قدرتی پر کیف مناظر اور مختلف مقامات مثلاً دٹ، مہرانا، ونگا، ڈھاٹ، سامروٹی، چھاچھراٹی، کھائر، پارکر، کاک، لڈانہ اور جیسلمیر تک شاہ صاحب نے بذاتِ خود سیاحت فرمائی، اور اپنے کلام میں اس کی منظر کشی فرمائی۔ یہاں تک کہ ریگستانی اونٹوں کے قافلے اور جرس کی دلکش آوازوں مویشیوں کے مختلف گلوں، ان کے چرواہوں کی مست کن آواز اور دیہاتی نغموں، صحرا میں چھوٹی پانی کی تلائیوں، حوض، کنووں، اور دیگر آبی ذخیروں کے نام اس کثرت سے استعمال فرمائے ہیں کہ شاہ صاحب کی حقیقت میں نظر کا قائل ہونا ہی پڑتا ہے۔ جنگل کے خودرو پودوں، مختلف قسم کے گھاسوں، پھولوں، پھلوں کے جس قدر نام مثلاً کھنبیاں، پیلو، لیار، پکے، گوالڑے، للر بگرہ، ڈونرے، ہنگریاں، سادہ خربوزے، متیرے، تربوز، اور مختلف ترکاریوں کے نام سے سندھی ادب کو مالا مال فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ ریگستانی عورتوں کا کنوؤں اور ترائیوں سے دلکش انداز میں پانی کے گھڑے بھرنا، پانی کھینچنے والے، گوسیوں، اور چرخیوں کے رسیلے آواز مویشیوں کا حوضوں سے پانی پینے کے موقعہ پر پر کیف نظارہ، موسمی سیلانی پرندوں کا ٹھیک اپنی

ساون کی رت میں نمودار ہونا، پتنگے، بھونرے اور جگنو وغیرہ کا وجود میں آنا یہ تمام چیزیں شاہ صاحب کی نظروں سے اوجھل نہ رہ سکیں۔

شاہ صاحب کے حقیقت نگار قلم نے ریگستانی زندگی کا کوئی پہلو بھی بغیر اجاگر کئے نہیں چھوڑا ہے۔ یہاں تک کہ موسم باراں کے پرندوں کے نام، ان کی دلکش میٹھی بولیاں اور ریگستانیوں کا اپنے قیاس پر بھروسہ کرتے ہوئے شگون لینا ان کے سگن، اور بادلوں کا شمال کی طرف سے ابھرنا، ٹھنڈی اور بارانی ہوا کی آمد، موسلا دھار بارش، بجلی کی تڑپ، بادل کی گرج، حیوانوں کا بارش کی خوشی میں آواز لگانا، ماروقوم کے خس پوش مکانات کا تر ہو جانا، کسانوں کا اپنے کھیتوں میں بیج بکھیر جانا، شام کے وقت مویشیوں کا اپنے ٹھکانوں پر واپس آنا، چرواہوں کی بانسریوں کی رسیلی آوازیں غرض الفاظ کا ایک بے کراں سمندر ہے جو ہمیں شاہ صاحب کے ریگستانی ادب میں ملتا ہے۔ اور اس کو پڑھ کر ہر شخص کا دل یہ خواہش کرتا ہے کہ ہم بھی ایک بار ان بارانی مناظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ یا یوں کہیئے ان بارانی مناظر کے مشتاق نگاہوں کی کچھ دیر کے لئے تسکین ہو جاتی ہے۔

ساون کی رت میں تمام خشک زمین کا سبزہ زاروں میں بدل جانا، پانی اور چارے کی افراط سے مویشیوں کا فربہ ہو کر زیادہ دودھ دینا، گھی، مکھن، چھاچھ اور دہی وغیرہ کی زیادتی، ریگستانوں کی مہمان نوازی، اور اس زمانے کے دیہاتوں کی خوشی کی مجالس کا جو نقشہ شاہ صاحب نے اپنی دوررس نظر سے کھینچا وہ ان ہی کا حصہ ہے، جس کو پڑھکر انسان محو حیرت رہ جاتا ہے۔ اور ان کی معجز بیانی کا لوہا ماننا پڑتا ہے۔ ریگستان کی موسم خزاں کا منظر اشجار کا خشک ہونا، گرم گرم ہواؤں کا چلنا، گرد باد اور بگولوں کا اٹھنا، ریگستانیوں، تھریوں کے جھونپڑیوں کو پاٹ دینا، لوؤں کی تمازت سے افراد کے اجسام کا جھلس جانا اور سیاہ پڑ جانا، ان سب مناظر کی عکاسی جس کامیابی سے شاہ صاحب فرما گئے ہیں، شاید ہی دنیا کے کسی شاعر کو یہ شرف نصیب ہوا ہو۔ اگر وقت اجازت دے اور "شاہی" ادب کو ہمیں سمجھنے کی توفیق ہو تو ان مناظر پر ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

ریگستانی سیاحت میں "رانعار بھٹ شاہ" نے اونٹوں کی سواری، صحرائی شادیوں

کے رسم ورواج کی منظر کشی، اونٹوں کی قطار، ساربانوں کی حدی، اونٹوں کی زیبائشی چیزوں کے نام مثلاً پاکھڑے وغیرہ ان کے مختلف اقسام کے نام جیسے کہ توڈا، لیڑا، ڈاگھا، گونرا، کنواٹ وغیرہ اسی قبیل کے سیکڑوں محاورے اور الفاظ استعمال کئے ہیں کہ آج جنکو سمجھنے والے ہی ناپید ہیں

شاہ صاحب نے تھری (ریگستانی) ماحول کی شادیوں کی رسموں کے مختلف نام جیسے ونواہ، نکھیٹی، پھول چننا، تل مارنا، ڈھکنا توڑنا، لائیں دینا اور انکی مختلف محفلوں کے گیتوں کے نام دودے، کچلے، بیجلے، جس کثرت سے استعمال کئے ہیں وہ کثرت الفاظ اور ان کا استعمال ہی ان کے تبحّر علمی کی کھلی دلیل ہے۔ پھر شاہ صاحب کے قلم نے اس خشک اور بے آب و گیاہ زمین میں جو گلفشانی فرمائی ہے اور جس خوش اسلوبی سے ادائیگی مضامین کی ہے اس کو پڑھ کر ہر قاری بزبان حال کہہ اٹھتا ہے ؎

دیکھئے تقریر کی خوبی کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ سمجھا کہ گویا یہ ہی میرے دل میں تھا

اب وقت کی کمی کی وجہ سے میں شاہ صاحب موصوف کے چند ابیات کا ترجمہ اردو میں پیش کر کے اجازت طلب کروں گا۔

(۱) اے ساون کی رت ذرا چشم کرم ادھر بھی جو خشک زمین کو سیراب کر دے جسکی وجہ سے فصلیں ہو جائیں اور غلہ ارزاں ہو۔ ہم ریگستانیوں کے بھی دن پھر جائیں اور ہمیں آرام سکون اور راحت نصیب ہو جائے۔

(۲) اے ساون کی رت تجھکو انسان، حیوان، چرند اور پرند سب یاد کرتے ہیں۔ تیرے ہی آسرے خزاں کے دن کاٹتے ہیں۔ تمام پانی کے پرند جیسے کہ آڑی وغیرہ اور تاڑے نامی پرند جو تیری آمد کا پتہ دیتا ہے تیرا ہی انتظار کر رہے ہیں اور سمندر کی سیپ بھی تیرے انتظار میں چشم براہ ہے۔ لہٰذا تھر والوں کو ملیر یعنی بارش کا پانی پلا دے تاکہ آسودہ حال اور خوش ہو جائیں۔

(۳) ساون کی رُت آپہنچی ہے۔ عیش کی محفلیں گرم ہیں۔ ریگستانیوں کی

جھونپڑیوں میں چھما چھم بارش ہو رہی ہے۔ بنت صحرا خود رو پھولوں سے لدی کھڑی ہے۔ گائے اور بھینسیں تک کلیلیں کر رہی ہیں۔

(۴) ساون کی رت ہے۔ پپیہا بول رہا ہے۔ کسانوں نے بھی اپنے ہل سنبھالے ہیں اور کھیت کی طرف رواں ہیں۔ ریگستانی خوش ہیں کہ ان کی یہ خشک زمین بھی فردوس کو آنکھ دکھا رہی ہے۔ کیوں کہ آج بھی بارش نے برسنے کا لباس پہن لیا ہے۔

(۵) آسمانی بجلی ریگستانی ٹیلوں کے سروں پر کوند کوند اب سیدھی زمین کی طرف جا رہی ہے۔ یہ باران رحمت کا پیش خیمہ ہے۔ اس ذات پاک کا احسان ہے۔ جس نے ہماری خشک زمین و خشک زبان کی آواز سن لی اور ہم ریگستانیوں کی لاج رکھ لی۔

(۶) باران رحمت ٹھہر چکی ہے مگر وہ دیکھو پھر بادل اٹھا، بجلی چمکی رعد کڑکی۔ یہ بارش کا نزول ہوا۔ بھینسیں ٹھنڈی زمین سے خودرو سبزہ چرنے لگی ہیں۔ اور کھیتوں سے اپنے بچے ساتھ لئے ہوئے واپس اپنے تھانوں پر آ رہی ہیں اور تازہ دودھ دیتی ہیں ریگستانی آپس میں مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ اور خوشی میں مگن ہیں۔ اور شکرانہ کے ترانہ گاتے ہیں۔